اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء: تحقیقی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد فاضل خان

حکمائے عالم اس پر متفق ہیں کہ انسان بنیادی طور پر حیوان ہے۔لیکن قدرت نے اسے کچھ ایسی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں جن کی بناء پر وہ حیوانوں سے اعلیٰ وارفع اور ممتاز ہے۔ان صلاحیتوں میں سوچ و بچار، تفکر، عقلمندی، نطق، خیالات و جذبات کی ترسیل، تحفظ علم اور استفادہ علم شامل ہیں[1]۔

انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔اس ناطے سے اس کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں جن میں سے ایک بقائے زندگی اور دوسری معرفت ذات ہے۔اول الذکر ضرورت خوارک، لباس، صحت، روزگار اور بدلتے ہوئے ماحول کے مطابق ڈھلنے سے پوری ہوتی ہے جبکہ ثانی الذکر ضرورت کو تشخص ذات، علم، فلسفہ اور مذہب سے پورا کیا جاسکتا ہے[2]۔ مذکورہ بالا ضروریات و احتیاجات کی تکمیل سے انسان ایک دوسرے مدد کا محتاج ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان طبعی طور پر معاشرہ پسند ہے۔[3]

معاشرے کو صحت مند رکھنے اور ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے۔یہی وجہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے جنم لیتے ہی انسان نے اپنے ایک امتیاز یعنی علم کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ دی اور جہاں علم محفوظ کیا اسے کتب خانہ کا نام دیا گیا۔ بقول شیرا کتب خانہ ایک معاشرتی ادارہ ہے جس کا مقصد فرد کو خود شناسی کے ساتھ ساتھ کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ کرنا ہے۔لہذا کتب خانوں کا وجود مہذب سوسائٹی کی ترقی کیلئے بہت ضروری ہے اور یہی بات ابتدائی سوسائٹی کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔مزید برآں کتب خانہ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ایک نسل کے فوائد' خیالات اور اعتقادات دوسری نسل تک پہنچائے جائیں[4]۔

یہی وجہ ہے کہ ہر کتب خانہ ایک اہم فریضہ ادا کرتا ہے کہ وہ ہمہ اقسام کے علوم کی دریافت' بازیابی' تنظیم اور نشر و اشاعت میں مصروف رہتا ہے۔مزید برآں تہذیب اور تمدن کی بقا اور ترقی کے لے کتب خانوں کا وجود ازبس ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ تہذیب ایک روحانی چیز ہے[5]۔ جو نظریہ حیات کی غمازی کرتی ہے اور تمدن اس خاص طرز زندگی کا نام ہے جو اسی تہذیب کے زیر اثر اختیار کیا جائے[6]۔اُمت مسلمہ نے اپنے دور عروج میں اِس کی بقاء اور ترقی کیلئے مقدور بھر کوشش کی کیونکہ اسلامی تہذیب و تمدن نہ صرف نظریہ ہے بلکہ روح کی حامل ہے[7]۔

کتب خانے کی اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہر متمدن اور مہذب قوم نے اپنے اپنے دور عروج میں کتب خانوں کے قیام پر بھر پور توجہ دی چنانچہ تاریخ اِس امر کی گواہ ہے کہ سرزمین مصر' یونان' روم اور ہندوستان نے اپنے اپنے دور عروج میں

کتب خانے قائم کئے۔ لیکن ملت بیضا اس بارے میں تمام امم سابقہ پر مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر سبقت لے گئی۔

اہمیتِ علم:

تاریخ عالم پر نظر ڈالی جائے تو اغیار بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ حصول علم اور اشاعت علم کی جتنی تعلیم اسلام نے دی ہے کسی دوسری امت وملت سے اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو سکا۔ سب سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے آشنا ہے کہ اسلام سے قبل جزیرہ نما عرب میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔ سرور عالم ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں پورے عرب میں گنتی کے چند آدمی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اولین مسلمانوں میں سے بھی سوائے دو چار کے کوئی حرف شناس تک نہ تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ علم کے بارے میں اہل عرب کاغذ وقلم کی مدد کو عار سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک "علم سینہ بہ از علم سفینہ" والی بات تھی۔ اس بارے میں ایک شاعر خلیل نے کیا خوب کہا ہے کہ

لیس بعلم ما حوی القمطر   ما العلم الا ماحواہ الصدر

وہ علم نہیں جو کتابوں میں ہے   علم وہی ہے جو سینے میں سما چکا ہے

اسی طرح یونس بن حبیب نے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا

استو. دع العلم قرطا سآ فضیعہ   وبئس مستودع العلم القرطاس

کاغذ کے سپرد کر کے علم کو ضائع کر دیا   علم کا بدترین امانت دار کاغذ ہے

تو کہنے لگے کہ یہ کم بخت علم اور حفظ علم کے لئے کیسا مستعد ہے۔ علم کا تعلق روح سے ہے اور مال کا تعلق بدن سے ہے۔ لہذا علم کی ویسی حفاظت کرو جیسی روح کی کرتے ہو اور مال کی ویسی حفاظت کرو جیسی بدن کی کرتے ہو۸۔ گویا کہ کتابیں بمنزلہ مال کے ہیں اور ان میں درج شدہ علم بمنزلہ روح کے ہے۔ اسلام میں علم کی اہمیت کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب کریم ﷺ پر وحی کا آغاز اقراء سے کیا۔ پھر علم سیکھنے کے لئے علم بالقلم کے راز سے پردہ اٹھایا اور دنیا اور آخرت میں بلندی درجات کے لئے رفع اللہ والذین آمنوالذین اوتو العلم کا جاں فزا مژدہ سنایا اور پھر اس نعمت کبریٰ کے حصول کے لئے رب زدنی علما کی تلقین فرمائی۔ علم کی فضیلت کے سلسلہ میں جناب رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور علمائے امت کے بھی متعدد فرامین ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر میں جناب رسالت مآب علیہ الف الف تحتہ والسلام کے اس پاک ارشاد پر اکتفا کرتا ہوں کہ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تم صحابہؓ پر فضیلت ہے۔ (ترمذی) یہ علم ہے جس کی بدولت انسان کو ملائکہ جیسی پاکیزہ مخلوق پر فضیلت حاصل ہوئی اور پھر یہ علم ہی ہے جس کے باعث نوع انسانی کے بعض افراد دوسرے افراد پر فضیلت پاتے رہے ہیں، یہی قانون مختلف امم میں جاری اور ساری رہا ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

قرون وسطی کے مسلمانوں کے ہاں علم کی جو قدر ومنزلت تھی۔ اس کا اندازہ اس وقت کے ایک امیر ابن العمید جو

وزارت کے عہدہ پر متمکن تھے کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے کہ جب تک میں نے طبرانی اور ابوبکر جعابی کا علمی مذاکرہ نہیں سنا تھا میں اس خیال باطل میں مبتلا تھا کہ مسند وزارت، مسند علم سے بڑی چیز ہے۔ لیکن جب میں نے یہ مذاکرہ سنا تو اس وقت میری یہ خواہش تھی کہ کاش میں وزیر ہونے کی بجائے طبرانی ہوتا[9]۔

مسلمانوں نے علم کی اہمیت کو صرف اقوال کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر بھی اس کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ امام عزالدین مقدسی چودہ برس کی عمر میں تحصیل علم کے لئے بغداد پہنچ گئے تھے۔ حافظ ابوالخطاب اندلسی نے تحصیل علم کی غرض سے اولاً تمام اسپین میں سفر کیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر مراکش (مراکو) آئے۔ مراکش اور دیگر ممالک حبش کی سیاحت کے بعد مصر پہنچے اور پھر مصر کے بعد شام، عراق عجم اور خراسان کا سفر کیا۔ اس طرح تین براعظم ان کے ملک پیا قدموں کے نیچے سے گزرے۔[10] دنیا میں افلاس سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز نہیں جو انسانی حوصلے اور ہمت کو پست کرے۔ مگر دین کی تعلیمات کا اثر تھا کہ افلاس بھی مسلمانوں کے ذوق علم کو کم نہ کر سکی۔ صالح جزرہ کا قول ہے کہ میں نے حجاج بن شاعہ ثقفی بغدادی سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری ماں نے مجھے سو روٹیاں پکا کر دیں۔ میں نے انہیں خشک کر کے ایک تھیلے میں ڈال لیا اور علم پڑھنے کے لئے شہر مدائن میں شبانہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ان کے پاس سو دن رہا اور ہر روز ایک روٹی دجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتا تھا۔ جب روٹیاں ختم ہو گئیں تو میں گھر واپس آ گیا۔[11]

علم کا یہ ذوق صرف دینی علوم تک محدود نہ تھا۔ بلکہ علوم عقلیہ کے لئے بھی ایسی ہی لگن تھی کیوں کہ پیغمبر کریم ﷺ نے یہ فرما کر علم کا دائرہ وسیع ترین کر دیا کہ " **الحکمه ضالة المومن اینما وجدهانه فهواحق بها** " یعنی علم وحکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں ملے اسے اپنا حق سمجھ کر حاصل کر لے۔ چنانچہ امام نضر بن شمیل نے چالیس برس صرف مختلف زبانوں کی تحقیقات کی خاطر صحرائے عرب میں بسر کر دیئے۔ اندلس کے طبیب ابن رومیہ نے ان نباتات کے حالات دریافت کرنے کیلئے جو مغرب میں پیدا نہیں ہوتیں مدتوں سیاحت کی۔ وہ اسپین سے مصر آئے اور مصر سے شام عراق کا سفر کیا[12]۔ مسلمانوں کے ذوق حصول علم کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جن کو فرداً فرداً احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

محبتِ کتب:

دوسری وجہ جس نے کتب خانوں کے ارتقاء میں بہت موثر کردار ادا کیا وہ مسلمانوں کا کتابوں سے محبت کا جذبہ ہے دراصل پہلی کتاب کے وجود سے لے کر تا قیام قیامت آنے والی ہر کتب کے موثر ترین ذریعہ علم ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس لئے ہر متمدن اور مہذب قوم نے کتابوں سے محبت کی ہے اور کتابوں کو مقدور بھر جمع کیا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے جب علم کا ذائقہ چکھا تو کتابوں کے بارے میں وہ تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ حریص بن گئے۔ ان میں سے اکثر کتابوں کے لئے نشہ خرچ واقع ہوئے اور ان کی حفاظت میں سب سے زیادہ شدید ثابت ہوئے۔[13] اولگا پینٹو کہتی ہیں کہ عرب کتابوں کا ذکر

ہمیشہ پیار ومحبت سے کرتے ہیں گویا کہ وہ ان کی عزیز ترین متاع اور وفادار دوست ہیں۔[۱۴] محمد بن بشیر نے کتابوں کے بارے میں چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

کیا خوب ہم نشیں ہیں کہ ان کے ہم نشیں کو کسی برائی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ نہ کبھی تکلیف دیتی ہیں۔ نہ بدکلامی سے پیش آتی ہیں۔ ہمارے لئے حکومت کے خزانے چھوڑ گئے ہیں۔ جن کا فائدہ ہمیشہ باقی رہے گا تمہیں محکم آثار کی طلب ہو تو یہاں نبی ﷺ کے آثار ثقہ وشریف راوی سنا رہے ہیں یا عرب جاہلیت کا علم چاہیں تو خود عربوں کی زبان سے سن لو[۱۵]

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ مسلمان تمام اقسام کی کتب سے محبت کرتے تھے اور انہیں اپنے کتب خانوں میں جگہ دیتے تھے۔ مسلمانوں کے کتب خانوں میں ہر نوع علم پر کتب موجود تھیں۔ انہوں نے دیگر اقوام کے مذہبی مواد کے علاوہ تمام مضامین اور تمام زبانوں پر مشتمل ہر زمانے کی کتابوں کو مقدور بھر جمع کیا۔ نقول تیار کیں اور تراجم کئے[۱۶] اسلامی معاشرہ کتابوں سے محبت کرنیوالا تھا۔ امراء کے دلوں میں کتابوں کی محبت کا جو جذبہ تھا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر شاید ہی ملے[۱۷]۔ اس بارے میں چند امثال حسب ذیل ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن الفرج جب کسی قاری کو کتاب مستعار دیتے تھے تو دو شعر پڑھتے تھے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اے وہ شخص جو میری کتاب عاریتاً لے رہا ہے بے شک یہ کتاب میرے دل سے لگی ہوئی ہے اور اسی طرح ایسی ساری کتابیں دلوں میں بسی ہوئی ہیں۔ اگر تو اسے نقل کرے تو علمی کشادگی میں ہوگا اور اس کے روکنے سے سخت تنگی میں ہو جائے گا[۱۸]۔

ابن خشاب متوفی 567ھ کا واقعہ کتابوں سے محبت کرنے کی حیران کن مثال ہے۔ وہ ایک دفعہ بازار گئے وہاں ایک کتاب پسند آ گئی جس کی قیمت پانچ سو دینار طے پائی لیکن جیب خالی تھی ادائیگی کے لئے تین ایام کی مہلت لی پھر گھر پہنچ کر مکان پانچ سو بیس دینار میں فروخت کیا اور حسب وعدہ ادائیگی کر دی[۱۹]۔

ابوالفضل محمد بن الحسین ابن العمید، مشہور حکمران رکن الدولہ آل بویہ کے وزیر تھے۔ ایک دفعہ ان کے مال واسباب کو خراسان کے لٹیروں نے لوٹ لیا حتی کہ پانی پینے کے لئے پیالہ اور بیٹھنے کے لئے چٹائی تک نہ چھوڑی۔ مشہور فلسفی اور عالم ابن مسکویہ، جو ان کے کتب خانے کے مہتمم تھے کا بیان ہے کہ اس حال میں بھی ابوالفضل کا ذہن کتب خانے پر مرکوز تھا۔ اور جب اس نے کتب خانے کو صحیح سالم پایا تو چہرہ خوشی سے دمک اٹھا کہنے لگے "تم نیک بخت انسان ہو۔ دراصل ہر جانے والی چیز کا نعم البدل موجود ہے لیکن کتب خانے کا کوئی نعم البدل نہیں[۲۰]۔

اس موقع پر قرطبہ کے امام زہراوی کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب قرطبہ پر دشمن کا حملہ ہوا اور قتل وغارت کا بازار گرم تھا تو اس وقت بھی ان کو سب سے زیادہ فکر کتابوں کی تھی۔ چنانچہ کتابوں کے آٹھ بنڈل باندھ کر رکھے تاکہ ساتھ لے جائیں[۲۱]۔ لیکن بدقسمتی سے وہ ساتھ نہ لے سکے۔

کثرتِ تصانیف اور تراجم:

کثرت تصانیف نے کتب خانوں کے ارتقاء میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔امت بیضا کے علماء نے اس قدر کتابیں تصنیف کیں کہ ان کے اپنے کتب خانوں کے علاوہ اغیار کے کتب خانے بھی ان کی تصانیف سے مزین ہوئے۔ جہاں تک تصانیف کے آغاز کا تعلق ہے قرآن عزیز اور احادیث نبویہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کتابی صورت اختیار کر لی تھی۔حضرت امیر معاویہؓ کے حکم پر مشہور صحابی عبید بن شریہ الجرہمیؓ نے ملوک عرب وعجم کے احوال واخبار اور اختلاف السنہ کے بارے میں معلومات کو قلم بند کرنے کا سلسلہ جاری کیا [۲۲]۔پہلی صدی ہجری میں بعض صحابہ کرامؓ اور بعض علماء عصر نے قرآن کریم کی تفاسیر لکھنا شروع کر دیں اور جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور متمدن اقوام بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور تمدنی ضروریات بڑھیں تو اس کے ساتھ ساتھ تصنیف کتب نے اتنی ترقی کر لی کہ کتابوں کی کثرت کی وجہ سے جابجا عظیم الشان کتب خانے قائم ہوگئے [۲۳]۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اوائل اسلام کے علماء میں سے اسی (۸۰) فیصد علماء نے اس قدر تصانیف کیں کہ ان کی اپنی کتابوں نے کتب خانوں کا روپ دھار لیا تھا ان بے شمار علماء میں سے چند علماء کی تصانیف کا ذکر بطور نمونہ حسب ذیل ہے:

مشہور محدث یحیی بن معینؒ نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث قلم بند کیں [۲۴]۔امام ابن سریج بغدادی کی تصانیف کی فہرست چار سو کتابوں پر مشتمل تھی [۲۵]۔امام بن شاہین بغدادی کا بیان ہے کہ میں نے 330 کتابیں لکھیں ان میں سے تفسیر کبیر ہزار جز، مسند ایک ہزار تین سو جز اور تاریخ ایک سو پچاس جز پر مشتمل ہے [۲۶]۔

امام ابن فرات بغدادیؒ نے ایک سو تفسیریں اور ایک سو تاریخ کی کتابیں لکھیں [۲۷]۔امام خطیب بغدادیؒ جن کا معمول رات دن میں قرآن ختم کرنا تھا کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد 56 بتائی جاتی ہے [۲۸]۔امام کنانی تمیمی صوفی نے اپنے ہاتھ سے اتنی کتابیں نقل کیں جن کا شمار مشکل ہے [۲۹]۔اس طرح امام طاہر نیشاپوری نے اپنے ہاتھ سے بہترین خط میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں [۳۰]۔امام ابن صابونی محمودیؒ نے بہت سا ذخیرہ علم قلمبند کیا اور اپنے کتب خانے کے لئے قیمتی کتابیں فراہم کیں [۳۱]۔

جہاں تک تراجم کا تعلق ہے مسلمان قوم کسی قوم سے پیچھے نہیں رہی۔حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مشہور عیسائی طبیب ابن آثال سے بعض یونانی کتابوں کو عربی میں منتقل کرایا۔ جو عربی زبان کے ذخیرے میں اپنی نوعیت کا پہلا اضافہ تھا [۳۲]۔ اور خالد بن یزید نے اصطفن قدیم نامی عالم سے کیمیا کی کتب کے تراجم کیے۔ بطریق سے منصور نے بعض قدیم کتابوں کے تراجم کرائے مامون الرشید نے حجاج بن مطر سے مجسطی اور اقلیدس کو عربی میں منتقل کرایا ہارون اور ماموں نے یوحنا بن ماسویہ سے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرایا۔ابوعمرو یوحنا بن یوسف کاتب نے کتاب افلاطون فی آداب الصبیان کا ترجمہ کیا۔

ایوب بن قاسم نے سریانی سے عربی میں ترجمے کئے ابوالحسن علی بن زیاد نے تاریخ شہریار نامی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا اسحاق بن یزید نے کتاب الفہرس المعروف بہ اختیار نامہ فارسی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا علاوہ ازیں محمد بن جہم برکی، ہشام بن قاسم، موسیٰ بن عیسٰی کردی، زادویہ بن شاہویہ اصفہانی محمد بن بہرام بن مطیار، بہرام بن مردان شاہ، عمر بن فرحان نے بھی فارسی زبان کی کتابوں کے تراجم کئے۔ منکہ ہندی نے ہندی زبان سے عربی میں ترجمے کرتا تھا اس طرح ابن دہمن ہندی جو شفا خانہ برامکہ کا نگران تھا نے ہندی زبان سے عربی میں تراجم کیے۔ ابن وحشیہ نے قبطی زبان سے عربی میں تراجم کیے[۳۳]۔

اس طرح تراجم نے عربی زبان میں علم و ادب کا ایک عظیم ذخیرہ مہیا کر دیا۔ امریکن عالم ڈریپر لکھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی رحلت پر ایک صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ مشاہیر حکمائے یونان کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہو گیا۔ الیڈ اور آڈیسی جیسی نظموں کو جو بت پرستانہ تلمیحات کی وجہ سے عوام کے لئے موجب گمراہی ہو سکتی تھیں علم دوست لوگوں کے شوق نے سریانی زبان کا لباس پہنا دیا[۳۴]۔ ڈکن ٹاؤنس یوں اعتراف کرتا ہے کہ مسلمانوں کی علمی سعی اور تصنیفی و تدریسی سرگرمیوں کے بغیر ریاضی اور سائنس کے میدان میں سرزمین یورپ میں گلیلیو اور نیوٹن کا پیدا ہونا مشکل تھا[۳۵]۔

امام محمد بن جریر بن کثیر طبریؒ علم کے پہاڑ تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں آپ کی چالیس سالہ تحریروں کا آپ کی زندگی کے کل ایام پر تقسیم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے ہر روز چالیس ورق سپرد قرطاس کیے۔ اور پھر علم اور شوق تصنیف کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں ساٹھ ہزار صفحات پر تاریخ لکھ رہا ہوں تو شاگردوں نے کہا کہ پڑھتے پڑھتے لوگوں کی عمریں ختم ہو جائیں گی۔ آپ نے انا اللہ پڑھا اور فرمایا کہ علم کا شوق اور حصول علم کی ہمت ختم ہو گئی پھر بھی چھ ہزار صفحات پر تاریخ لکھی[۳۶]۔ بقول علامہ الذہبیؒ امام ابن تیمیہؒ نے تین سو تصانیف چھوڑی ہیں[۳۷]۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور نواب صدیق حسن خان نے امام موصوف کی تصانیف کی فہرست جو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کی ہے اس کے مطابق کتب کی تعداد چار سو اسی ہے[۳۸]۔

تصنیف و تراجم کی کثرت کا ایک اہم سبب اہل ثروت کی قدر دانی تھی۔ مامون الرشید یوحنا بن ماسویہ کو ترجمہ کرنے پر کتاب کے وزن کے برابر سونا دیا کرتے تھے[۳۹]۔ یحییٰ بن خالد برمکی ہر کتاب کے تین تین نسخے خریدا کرتا تھا اور ایک درہم کی بجائے ہزار درہم ادا کرتا تھا[۴۰]۔ موسیٰ بن شاکر اور اس کے بیٹے موسیقی اور طب کی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے حبیش بن حنین اور ثابت بن قرۃ کو پانچ پانچ سو دینار ماہانہ دیا کرتے تھے[۴۱]۔

مسلمانوں کا ذوقِ جمع آوری:

کتب خانوں کے قیام کے بارے میں ایک امر مسلمانوں کا ذوق جمع آوری کتب ہے۔ جہاں تک دینی کتب جمع کرنے کا تعلق ہے اسکے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ دینی کتابوں کے علاوہ مسلمانوں نے ہر قسم کی کتابیں جمع کیں۔ رسالت

مآب ﷺ کے نامور اور مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ جہاں قرآن عظیم کی کثرت سے تلاوت کرتے اور احادیث نبویہ کو قلم بند کرتے تھے وہاں وہ علوم عقلیہ میں بڑے مستعد تھے چنانچہ جب انہیں مصر میں اہل کتاب کا کتب خانہ ملا تو گہری نظر سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا اور نادر معلومات فراہم کیں [۴۲]۔ اسی طرح مشہور حافظ حدیث حضرت وہب بن منبہؒ متوفی 114ھ کے پاس بھی اہل کتاب کا وسیع ذخیرہ تھا جس سے وہ استفادہ کرتے تھے [۴۳]۔

ہارون الرشید عباسی نے جب بازنطین کا علاقہ فتح کیا تو انقرہ، عموریہ اور دیگر بلاد روم سے جو قدیم کتابیں ملیں ہارون نے انہیں بیت الحکمت میں جگہ دی۔ اسی طرح مامون الرشید نے یونانی کتابوں کو شاہ روم سے حاصل کرنے کے لئے حجاج بن مطر ابن بطریق اور بیت الحکمہ کے ناظم سلما کو بھیجا جنہوں نے قدیم علوم کے ذخائر میں سے کتابیں منتخب کیں [۴۴]۔ موسیٰ بن شاکر اور ان کے تینوں بیٹے محمد، احمد اور حسن نے علوم قدیمہ کی کتابوں کے حصول کے لئے بے دریغ دولت خرچ کی اور بعض علماء کو بلاد روم میں محض کتابیں تلاش کرنے کے لئے بھیجا اور پھر مترجمین تلاش کئے اور زر کثیر خرچ کر کے جواہر حکمت جمع کئے [۴۵]۔ محمد ابن حزم متوفی 282ھ نے باوجود قلیل آمدنی کے اس قدر کتابیں جمع کیں کہ بقول ابن الابار اس سے قبل کسی نے نہ کی تھیں [۴۶]۔

الحکم ثانی متوفی 366ھ نے جس قدر کتابیں جمع کیں وہ محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے شہزادگی کے زمانہ سے کتب جمع کرنا شروع کیں اور بادشاہ بننے کے بعد تمام بلاد مشرق میں معتبر آدمی بھیجے تاکہ جو نادر کتب اُنہیں ملیں وہ خرید کر قرطبہ بھیج دیں۔ چنانچہ سفیران قرطبہ اور نمائندگان حکومت اس وقت کے علمی مراکز یعنی قاہرہ دمشق بغداد اور دیگر ممالک میں ہمیشہ نایاب اور نئی کتابوں کی جستجو میں مصروف نظر آتے تھے۔ مشہور کتب فروشوں کی دکانیں ان کا مرکز تھیں۔ اور پھر قدردانی کا یہ عالم تھا کہ کتاب کا نفس مضمون ہنوز مصنف کے دماغ میں ہے اور خلیفہ نے اس سے مطلع ہو کر اس کو ایک گراں بہا خلعت بھیج دی اور خواہش ظاہر کی کہ جب وہ کتاب لکھیں تو اس کا پہلا نسخہ شاہی کتب خانے کو بھیجا جائے [۴۷]۔ رعایا میں یہ مشہور تھا کہ بادشاہ تک رسائی کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ کو ایسی نادر کتابیں پیش کی جائیں جو اس کے کتب خانے میں موجود نہ ہوں [۴۸]۔

امام علامہ ابن فطیس قرطبی کے متعلق علامہ الذہبی لکھتے ہیں کہ آپ کے پاس کتابوں کا اس قدر ذخیرہ تھا کہ آج تک کسی کے پاس اتنا ذخیرہ نہیں دیکھا گیا [۴۹]۔ امام مفید ابن سمکو یہ اصفہانی ممتاز حافظ حدیث تھے انہوں نے بے شمار کتابیں جمع کیں [۵۰]۔ ابونعیم عبیداللہ ابن الشیخ ابی علی حسن بن احمد المعروف امام ابن الحداد نے بھی اتنی زیادہ کتابیں جمع کی تھیں جو ان کے ہمعصروں میں سے کسی نے جمع نہیں کیں اور وہ علم اور کتابیں جمع کرنے میں راست باز تھے [۵۱]۔

محدث اصفہان امام غازی نے بہت کچھ لکھا اور بہت کتابیں جمع کیں [۵۲]۔ شیخ الاسلام عطیہ بن سعید صوفی اندلسیؒ ایک چادر اور ایک خرقہ پر گذارہ کرتے تھے۔ لیکن آپ نے کتابیں اتنی جمع کی تھیں کہ دوران سفر متعدد اونٹوں پر لادی جاتی تھیں [۵۳]۔ شیخ ابوالحسن علی بن مسعود بن نفیس موصلی کو کتابیں جمع کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ بھوکا رہنا پسند کرتے تھے لیکن کتابیں خریدنے کا

موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے[۵۴]۔

وقفِ کتب:

ایک امر جس نے کتب خانوں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا کتب خانوں کا وقف کرنا تھا کیونکہ مسلمان قوم کتب خرید کر وقف کرنے کو عبادت سمجھتی تھی۔ شیخ علامہ محدث شمس الدین ابو العلاء بن محمود بن ابو بکر بخاری کی متعدد تصانیف تھیں جو آپ نے خانقاہ کے مدرسہ کے لئے وقف کر دی تھیں[۵۵]۔ ابو سعید البندھی متوفی 574ھ نے بقول یاقوت اتنی کتابیں جمع کیں کہ ان کے برابر کسی اور نے نہ کی ہوں گی انہوں نے اپنی تمام جمع کردہ کتب کو میساط کی خانقاہ کے کتب خانے کیلئے وقف کر دیا[۵۶]۔ ابو نصر احمد بن یوسف المنازی جو مسند وزارت پر متمکن تھے بڑے فاضل اور ادیب تھے انہوں نے بہت زیادہ کتابیں جمع کیں پھر ان کتابوں کو جامع میافارقین اور جامع آمد میں وقف کر دیا[۵۷]۔

چنانچہ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ متوفی 493ھ نے بہت پر مغز کتابیں تصنیف کیں۔ وفات سے پہلے آپ نے ابو الفضل بن خیرون کو اپنی تمام کتابیں وقف کرنے اور اپنا مال نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت فرمائی[۵۸]۔

بعض حضرات تو پورے پورے کتب خانے ہی وقف کر دیتے تھے چنانچہ ابو طاہر احمد بن علی بن عبید اللہ بن عمر بن سوار متوفی 496ھ نے دو بڑے کتب خانے قائم کئے جو عوام کے لئے وقف تھے۔ ان میں سے ایک بصرہ اور دوسرا ہرمز میں تھا[۵۹]۔ امام فخر الدین المارونی متوفی 594ھ نے اپنی حکمت کی تمام کتابیں شہر ماردین جو مشہد میں واقع تھا کو وقف کر دیں شیخ فخر الدین نے جو کتب وقف کیں وہ سب عمدہ تھیں[۶۰]۔ محمد بن علی یاسر انصاری متوفی 563 اپنا کتب خانہ خزانہ الکتب النوریہ محدثین کے لئے وقف کیا ہوا تھا[۶۱]۔

خانقاہ مرد شاہ جہاں میں دس عظیم الشان وقف کتب خانے تھے۔ ان میں سے ایک کتب خانہ الضمیریہ کے نام سے موسوم تھا۔ یاقوت حموی نے اس کتب خانے سے خوب استفادہ کیا اور لکھا کہ اس کتب خانہ سے بیک وقت دوسو کتابیں مستعار مل سکتی ہیں[۶۲]۔ اس سے کتب خانہ کی وسعت اور استعمال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تعلیمی ادارے یا درسگاہیں:

ایک امر جس نے کتب خانوں کو حیرت انگیز ترقی دی یہ تھی کہ تمام تعلیمی اداروں کیلئے کتب خانوں کے وجود کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ بنو امیہ کے عہد ہی سے درسگاہوں کے ساتھ کتب خانوں کی موجودگی ناگزیر سمجھی جاتی تھی۔ گویا کہ درسگاہ یا جامعہ کا وجود اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ یہاں کتب خانہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں درس گاہ یا جامعہ تھی وہاں کتب خانہ ضرور تھا اور یہ کتب خانے کسی مخصوص علاقے میں نہیں تھے بلکہ پوری اسلامی قلمرو میں پھیلے ہوئے تھے[۶۳]۔ اور پھر ان کتب خانوں کا علمی ذخیرہ چند کتابوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ بعض کتب خانوں کا علمی ذخیرہ ہزاروں سے متجاوز تھا۔ مدرسہ فاضلیہ کے کتب خانہ

میں ایک لاکھ کتابیں تھیں [۶۴]۔ مدرسہ ظاہریہ کے کتب خانے میں تمام مضامین پر اہم کتابیں موجود تھیں [۶۵]۔ مدرسہ محمودیہ کا کتب خانہ ایسا بے مثال تھا کہ اس دور میں مصر اور شام میں اس کی نظیر نہیں ملتی [۶۶]۔ جامع ازہر کے کتب خانہ میں بعہد عزیز بدین اللہ جملہ علوم وفنون پر تقریبا دو لاکھ کتابیں جمع ہو گئیں تھیں [۶۷]۔ الحکم کے قائم کردہ دار العلم یا دار الحکمہ میں بھی کتابوں کی تعداد دو لاکھ بتائی جاتی ہے [۶۸]۔ بقول سندی انہوں نے اس کتب خانہ میں صرف علوم النجوم، ریاضی اور فلسفہ پر 65000 جلدیں دیکھیں [۶۹]۔

ذوق مطالعہ:

ایک اور سبب جو کتب خانوں کے وجود کا باعث بنی مسلمانوں کا ذوق مطالعہ تھا۔ امام بخاریؒ جن کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ سات اور بعض روایات کے مطابق دس لاکھ احادیث نبویہ علی صاحبہا صلوۃ والسلام زبانی یاد تھیں۔ لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ حفظ کی دوا کیا ہے تو فرمایا کتب بنی [۷۰]۔ امام رازیؒ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے کھانے کے اوقات میں علمی مشاغل چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیوں کہ فرصت وقت بہت عزیز چیز ہے [۷۱]۔

حضرت امام شہاب زہریؒ متوفی 124ھ جب گھر میں بیٹھتے تو اردگرد کتابوں کے ڈھیر لگے ہوتے اور مطالعہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی تھیں کہ خدا کی قسم یہ کتابیں تو مجھے تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں [۷۲]۔

یوں تو امام ابن تیمیہؒ اپنے زمانے کے تمام علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے لیکن تفسیر آپ کا محبوب موضوع تھا اور اس سے خاص دلچسپی تھی ان کا بیان ہے کہ انہوں نے صرف تفسیر قرآن پر چھوٹی بڑی 100 سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا [۷۳]۔

ابو ہفان کا قول ہے کہ میں نے تین اشخاص یعنی الجاحظ، فتح بن خاقان اور اسماعیل ابن اسحاق القاضی سے بڑھ کر کسی کو کتابوں اور علم سے محبت کرنے والا نہیں دیکھا۔ جاحظ کبھی کتاب کو اپنے ہاتھ سے نہیں رکھتا تھا حتی کہ کتب فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے کر کتابیں پڑھتا رہتا تھا اور فتح بن خاقان متوکل کے مجلس نشین تھے لیکن جب متوکل کسی ضرورت سے اٹھتا تو وہ کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتا تھا اور مطالعہ کا سلسلہ بیت الخلا میں جاری رکھتا تھا اور قاضی اسماعیل بن اسحاق کے پاس جب بھی گیا تو انہیں کتابوں کو الٹتے پلٹتے پایا یا جھاڑتے ہوئے دیکھا [۷۴]۔

ابوسعید عبداللہ بن علاؤالدین حسن بن حسین السکری مطالعہ میں اس قدر محو ہوتے کہ لوگوں سے ملاقات کے وقت بھی کتاب کو ہاتھ سے الگ نہ کرتے تھے [۷۵]۔ امام ادب ابوالعباس ثعلب کی وفات کے واقعہ سے زیادہ موثر مثال اس بحث میں مشکل سے ملے گی۔ ثعلب کی عمر اکانوے سال تھی ایک دن جمعے کے بعد مسجد سے مکان کو جانے لگے تو راستے میں کتاب پڑھتے جا رہے تھے کتاب میں محویت اور اس پر ثقل سماعت پھر آواز کیا سنتے ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اس صدمے سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ غشی کی حالت میں اٹھا کر مکان پر لائے۔ ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو کب برداشت کر سکتا

تھا چنانچہ اسی حالت میں رحلت کی۔ انتہائی پیری میں بھی ان کا شوق طلب اتنا قوی تھا کہ راہنوردی میں جو وقت گزرتا اس کا جاتا رہنا بھی گورانہ ہوا[۷۶]۔

کتب فروشوں کی دوکانیں:

ایک امر جس نے کتب خانوں کے ارتقاء میں موثر کردار ادا کیا کتب فروشوں کی دکانیں تھیں۔ ڈاکٹر شلبی تو ان دوکانوں کو کتب خانوں کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کتب خانوں کا وجود پہلے دور عباسیہ میں ہوا اور پھر تمام اسلامی دنیا میں کثرت سے کتابوں کی دکانیں پھیل گئیں۔ بغداد کا تذکرہ کرتے ہوئے یعقوبی نے صرف محلّہ رضا حسنہ میں سو سے زائد کتب خانوں کا ذکر کیا[۷۷]۔ مصر کے متعلق ہم ابن زرلاق کی کتاب میں دیکھتے ہیں کہ طولونیوں اور اخشندوں کے عہد میں وارقین کے لئے الگ بازار تھا جہاں کتابیں برائے فروخت رکھی جاتی تھیں اور ان دکانوں میں اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے[۷۸]۔ کیوں کہ کتب فروش ابن الندیم۔ یاقوت حموی اور اسحاق بن محمد بن اسحاق جیسے صاحب علم وادب ہوتے تھے۔ اور بعض اہل علم ان کتب فروشوں کی دکانوں کو کرایہ ادا کر کے اپنی راتیں مطالعہ میں صرف کرتے تھے چنانچہ جاحظ اکثر و بیشتر کرایہ ادا کر کے استفادہ کرتا تھا[۷۹]۔

کتب خانہ بحیثیت معیار عزت:

اس سلسلے میں ایک اور اہم وجہ یہ ہے کہ اسلام نے علم کی جس قدر فضیلت بیان کی اس قدر جہالت کی مذمت کی۔ لہٰذا جو شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ اپنی علمی معلومات علماء کے حلقہ ہائے درس میں شامل ہو کر پوری کرتا تھا۔ یزید بن ہارونؒ نے جب بغداد میں درس حدیث دیا تو اس میں ستر ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا[۸۰]۔ علاوہ ازیں علم سے بے بہرہ افراد معاشرہ میں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ انہیں علم وادب سے گہرا لگاؤ ہے وہ شاندار کتب خانے قائم کرتے تھے۔ اندلس کے باشندوں سے متعلق خولیان ریبیرا بحوالہ احمد المقری لکھتا ہے کہ اندلس کے باشندوں کے لئے عزت وامارت کا معیار کتب خانے تھے، نیز ان کتب خانوں میں مشہور کاتبوں اور نایاب نسخوں کی تعداد سے ایک عام آدمی اہم شخصیت سمجھا جاتا تھا[۸۱]۔ اس سلسلہ میں علامہ حضرمی کا واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک دن وہ قرطبہ میں ایک کتب فروش کے پاس کھڑے تھے ان کی نظر ایک ایسی کتاب پر پڑی جس کی انہیں مدت سے تلاش تھی اور پھر وہ کتاب عمدہ خط میں لکھی گئی تھی اور خوبصورت جلد سے مزین تھی۔ چنانچہ اس کتاب کو دیکھ کر انہیں بے حد خوشی ہوئی۔ انہوں نے کتاب خریدنے کے لئے بولی دی۔ اتنے میں ایک خوش پوش شخص آگے بڑھا اور ان سے زائد قیمت پر کتاب لینے پر آمادہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ قیمت اس حد تک بڑھا دی کہ علامہ حضرمی کی قوت خرید جواب دے گئی۔ اس پر علامہ موصوف نے پوچھا کہ اے میرے آقا اگر آپ فقیہہ ہیں اور آپ کو اس کتاب کی زیادہ ضرورت ہے تو میں آپ کے لئے چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس شخص نے جواباً کہا کہ میں فقیہہ نہیں ہوں بلکہ میں اس سے بھی بے خبر ہوں کہ یہ کتاب کس موضوع پر ہے البتہ میں نے اپنا ایک کتب خانہ قائم کیا ہے اور اس میں ایسی خوبصورت کتابیں جمع کی ہیں کہ اس شہر میں کسی اور کے ہاں نہیں ہوں گی۔

اس کتب خانے میں اس کتاب کے برابر جگہ خالی ہے اور پھر اس کی کتابت بھی عمدہ اور صاف ہے اس لئے میں یہ کتاب خریدنا چاہتا ہوں[۸۲]۔

کاغذ کے کارخانے:

ایک اور وجہ جس نے کتب خانوں کے قیام میں موثر کردار ادا کیا وہ کاغذ کی ایجاد ہے جس کا سہرہ چین کے T'SAI LUN کے سر ہے۔ کاغذ اپنا سفر طے کرتا ہوا 751ء میں سمرقند پہنچا اور سمرقند سے بغداد پہنچا۔ لیکن مسلمانوں نے جلد ہی خود کفالت کا انتظام کر لیا۔ چنانچہ ہارون الرشید عباسی متوفی/809ء کے عہد میں بغداد میں کاغذ کا کارخانہ قائم ہوا۔ جسے الصنعۃ الوراقہ کہتے تھے[۸۳]۔ 900ء میں اہل مصر نے کاغذ بنانے کا فن سیکھا اور مسلم اسپین میں 1150ء میں Jativa کے مقام پر کاغذ کا کارخانہ قائم ہوا[۸۴]۔ بلکہ اولنگا پینٹو نے یہاں تک لکھا کہ مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے مراکز میں کاغذ سازی کے کارخانہ قائم ہوئے پانچویں صدی ہجری میں تمام یورپ کو کاغذ بغداد اور قاہرہ کے کارخانوں سے مہیا کیا جاتا تھا[۸۵]۔ لیکن یہ یاد رہے کہ (وسیع القلب اور پوری انسانیت سے پیار کرنے کے دعوے دار) کلیسا نے کاغذ کے استعمال سے مدتوں اس لئے پس و پیش کیا کہ کاغذ مسلمانوں نے تیار کیا تھا[۸۶]۔ بہرحال بارہویں صدی عیسوی تک کاغذ سازی کے کارخانے پورے عالم اسلام میں پھیل گئے جس سے کتابوں کی تصنیف و تالیف میں معتد بہ اضافہ ہوا اور نتیجتاً کتب خانوں کے ارتقاء میں مدد ملی۔

ادبی مجالس:

آخری سبب خلفاء اور امرا کے ہاں منعقد ہونے والی ادبی اور علمی مجالس تھیں جس نے علمی شوق اور ترقی میں بڑی حد تک معاونت کی نتیجتاً کتب خانوں کے ارتقاء میں یہ مجالس بھی ایک اہم عنصر ثابت ہوئیں۔ احمد امین مصری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ خلفا اور امرا کی مجالس موجودہ دور کی یونیورسٹیوں کے قائم مقام تھیں[۸۷]۔ گویا کہ ان مجالس کا مقصد ترقی و توسیع علم ہی تھا[۸۸]۔ علمی اور ادبی مجالس میں حصہ لینے کے لئے جس قدر کتب کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی دلیل کی محتاج نہیں بلکہ احمد امین کی بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کارلائل کی اس بات سے سو فیصد اتفاق کرنا پڑے گا کہ آج کل کے دور میں صحیح یونیورسٹی کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے[۸۹]۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد۔ حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم مولانا عبدالرحیم۔ لاہور: قومی کتب خانہ، 1991ء جلد اول ص 196۔

۲۔ *Communications and Information Networks* (Proceeding of themeeting) Ed by Jousaf Baker. Shakago: American Association, 1943, Page 13

۳۔ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن۔ مقدمہ ابن خلدون مترجم مولانا راغب اصفہانی۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، 1986ء۔ ص 219۔

۴۔ Shera, A H. *Introduction to Library Science Basic Elements of Library Service*. Littleto, Colorado: Libraries Unlimited, Inc, 1967. P 9

۵۔ ہائی لینڈ، جان ایس۔ مختصر تاریخ تمدن۔ مترجم سید صباء الدین رفعت دہلوی۔ دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) 1944ء، ص 3

۶۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ "اسلام ایک جامع تہذیب" اسلامی تہذیب کیا ہے۔ کراچی: مکتبہ رزاقی، ?1900ء۔ ص 67

۷۔ عبداللہ، سید۔ اسلامی تہذیب کیا ہے۔ کراچی: مکتبہ رزاقی، ?1900ء، ص 53

۸۔ ابن عبدالبر اندلسی۔ جامع بیان العلم وفضلہ مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی۔ لاہور: ادارہ اسلامیات 1977ء، ص 67

۹۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد۔ تذکرہ الحفاظ مترجم محمد اسحاق۔ لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء۔ ج 3۔ ص 525-226

۱۰۔ شیروانی، محمد حبیب الرحمان خان۔ علمائے سلف ونابینا علماء۔ لاہور: سجاد پبلشرز، 1959ء۔ ص 31

۱۱۔ الذہبی۔ محولہ بالا۔ ج 2، ص 397

۱۲۔ شیروانی، محمد حبیب الرحمٰن خان۔ محولہ بالا۔ ص 24

۱۳۔ جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ القاہرہ: دارالہلال، ?1900ء الجزالثالث۔ ص 227

۱۴۔ Pinto, Olinga. *The Libraries of the Arabs* During the Time of theAbbassid Period. Islamic Culture. (Lahore: DS Library, N.D.) Vol 3, P 218

۱۵۔ ابن عبدالبر۔ محوالہ بالا۔ ص 262

۱۶۔ Johnson, Elmer *D. A History of Libraries in the Western World.* New York: The Scarecrow Press, 1965. P 92

۱۷۔ Ibid, P 88

۱۸۔ الحمیدی، ابی عبیداللہ بن محمد بن فتوح بن عبداللہ۔ جزوہ المقتبس۔ قاہرہ: نشر الثقافت الاسلامیہ، 1272ھ۔ الجز الاول، ص80۔

۱۹۔ ابن جوزی۔ مراۃ الزمان فی تاریخ الاعیان۔ حیدرآباد دکن الہند۔ دائرہ المعارف العثمانیہ، 1270ھ القسم الاول من الجز الثامن۔ ص288

۲۰۔ ابن مسکویہ، ابی علی احمد بن محمد۔ تجارب الامم۔ مصر: المعیہ المطبعہ بشرکہ التمدن الضاعتہ، 1333ھ الجز الثانی۔ ص 224-225

۲۱۔ الذہبی۔ محولہ بالا۔ ج3۔ ص753

۲۲۔ ماہر حمادہ، محمد۔ المکتبات فی الاسلام نشاتہا تطورھا ماصائرھا۔ بیروت: بناتہ صوری وصالحہ، 1976ء/ 1398ھ ص 43

۲۳۔ اختر جوناگڑھی، قاضی احمد میاں "مسلمانان سلف رجمع ومطالعہ کتب کا شوق" روئداد ادارہ معاف اسلامیہ۔ اجلاس دوم از 12-10 اپریل 1936 لاہور۔ عاملہ ادارہ معارف اسلامیہ 1357ھ 1938ء ص72

۲۴۔ الذہبی بحوالہ بالا ج 2۔ ص323

۲۵۔ ایضاً۔ ج3 ص565

۲۶۔ ایضاً۔ ص 668

۲۷۔ ایضاً۔ ص686

۲۸۔ ایضاً۔ ص 760

۲۹۔ ایضاً۔ ص 781

۳۰۔ ایضاً۔ ج 4۔ ص 820

۳۱۔ ایضاً۔ ج 4۔ ص 994

۳۲۔ شبلی نعمانی "اسلامی کتب خانے" مقالات شبلی۔ اعظم گڑھ: مطبع معارف اسلامیہ، 1951ء ششم (تاریخی حصہ دوم) ص 154

۳۳۔ ابن الندیم، محمد بن اسحاق۔ الفہرست مترجم محمد اسحاق۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1969ء ص 575-572

۳۴۔ علامہ ابن عبدالبر۔ (مقدمہ) محولہ بالا ص24

۳۵۔ Dikson, Townson. *Muslim Spain.* Cambridge: The University Press, 1973. P. 34

۳۶۔ الذہبی محولہ بالا۔ج 2،ص494

۳۷۔ ایضاً۔ج4،ص1019

۳۸۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ مدیر سید قاسم محمود۔کراچی: شاہکار بک فاؤنڈیشن،؟1900ء،ص58

۳۹۔ الزرکلی، خیرالدین۔الاعلام۔بیروت :الموءلف،1389ھ/ 1969ء،الجزالثانی،ص325

۴۰۔ عبدالرزاق کانپوری، محمد۔برامکہ۔کانپور: خواجہ عبدالوحید پریس،1938۔ص156

۴۱۔ القفطی، جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف۔ تاریخ الحکماء مترجم غلام جیلانی برقی لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1960ء۔ص 409

۴۲۔ الذہبی محولہ بالا۔ص54

۴۳۔ ایضاً۔ص98

۴۴۔ ابن الندیم، محمد ابن اسحاق۔محولہ بالا۔ص571

۴۵۔ القفطی محولہ بالا۔ص409

۴۶۔ ابن الابار، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی۔التکملۃ الکتاب الصلہ۔قاہرہ: نشر الثقافۃ الاسلامیہ،1375ھ/ 1955ء الجزالاول،ص 358

۴۷۔ پول، اسٹنلے لین۔مسلمان اندلس میں مترجم حامد علی صدیقی۔کراچی :سعید کمپنی،؟1900ء،ص200

۴۸۔ ریبا، خولیان۔اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب مترجم ڈاکٹر احمد خان۔اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی،1974ء،ص18

۴۹۔ الذہبی۔محولہ بالا۔جلد3۔ص13

۵۰۔ ایضاً۔ج 4 ۔ ص813

۵۱۔ الذہبی۔محولہ بالا۔ص 949

۵۲۔ ایضاً۔ص 856

۵۳۔ ایضاً۔ج 3۔ص 729

۵۴۔ ایضاً۔ج 4۔ص 1022

۵۵۔ الذہبی۔محولہ بالا۔ج 4۔ص1023

۵۶۔ اختر جونا گڑھی، قاضی احمد میاں۔محولہ بالا۔ص 84

۵۷۔ ابن خلکان۔وفیات الایان۔بیروت: دارالثقافتہ، 1968ء۔جلداول۔ص 143

۵۸۔ الزرکلی محولہ بالا۔ج 1۔ص166

۵۹۔ ایضاً۔الجز8۔ص 48

۶۰۔ ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔بیروت: دارالفکر، 1377ھ ص403

۶۱۔ ابن الابار، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی۔محولہ بالا۔ص 501

۶۲۔ یاقوت حموی معجم البلدان۔بیروت: دارالبیروت، 1958ء۔ج5۔ص 114

۶۳۔ احمد شلبی۔ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن۔تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ مترجم محمد حسین خاں زبیری لاہور۔ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1963ء۔ص87

۶۴۔ المقریزی، تقی الدین ابی العباس احمد بن علی۔الخطط المقریزیہ: القاہرہ: موسہ الحلبی وشرکاہ، ?1900ء۔ الجز الثانی ص۔366

۶۵۔ ایضاً۔ص379

۶۶۔ ایضاً۔ص395

۶۷۔ اسلم جیراج پوری، محمد۔تاریخ الامت۔کراچی: ادارہ طلوع اسلام۔1900ء ج 6۔ص131

۶۸۔ محمد زبیر۔اسلامی کتب خانے۔دہلی: ندوہ المصنفین، 1961ء۔ص85

۶۹۔ القفطی، جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف۔محولہ بالا۔ص440

۷۰۔ ابن عبدالبر۔محولہ بالا۔ص263

۷۱۔ شیروانی، محمد حبیب الرحمٰن خان۔علمائے سلف و نابینا علماء۔لاہور: سجاد پبلشرز، 1995ء۔ص38

۷۲۔ مصطفیٰ السباعی۔اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو۔مترجم سید معروف شیرازی۔لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1976۔ص

۷۳۔ علی میاں، سید ابوالحسن علی ندوی۔تاریخ دعوت وعزیمت۔کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1983 حصہ دوم۔ص42

۷۴۔ ابن ندیم۔محولہ بالا۔ص175

۷۵۔ یاقوت حموی۔محولہ بالا۔جلد2۔ ص134۔

۷۶۔ شیروانی، محمد حبیب الرحمٰن خان۔محولہ بالا۔ص49۔

۷۷۔ احمد شلبی۔محولہ بالا۔ص28۔

۷۸۔ ابن ندیم۔محولہ بالا۔ص175۔

۷۹۔ ابن الابار، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی۔ *التکملہ لکتاب الصلہ*۔ القاہرہ: نشر الثقافیہ اسلامیہ، 1375ھ/1955ء۔ج1۔ ص92۔

۸۰۔ الذہبی۔محولہ بالا۔ج1۔ ص246۔

۸۱۔ ربیرا، خولیان، محولہ بالا۔ص33۔

۸۲۔ ایضاً۔ ص32.33۔

۸۳۔ محمد زبیر۔اسلامی کتب خانے۔کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1978ء۔ص73۔

۸۴۔ Rider, Alice Damon. *A Story of books and Libraries*. Metuchen N. J: The Scarecrow, 1976: P 64.

۸۵۔ اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء: تحقیقی جائزہ پینٹو اولگا۔محولہ بالا۔ص211۔

۸۶۔ Rider, Alice Damon. op. cited. P30

۸۷۔ احمد امین۔ظہر الاسلام۔بیروت: دارالکتابۃ العربیۃ *1388ھ/1969ء*۔ الجزالاول ص287۔

۸۸۔ احمد شلبی۔محولہ بالا۔ص211۔

۸۹۔ Carlyle, Thomas. On Heroes, *Hero-Worship, & the Heroic in History.* Berkeley: University of California Press, 1973. P 140.

☆☆☆